پھاٹک تک آیا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ شاید رات بھر نہیں سو یا تھا میں شنکر سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہوں۔ ایسا لگتا تھا کہ الفاظ نے ہم سب کا ساتھ چھوڑ دیا تھا، اور ہم سب اپنی آنکھوں سے کام لے رہے تھے۔

میں جیل سے باہر آگیا۔ اندر، میں ایک جماعت تھا اور باہر، محض ایک فرد۔ یکّہ و تنہا۔ لیکن پھر گویا ایک بھیڑ میں داخل ہو گیا۔ میرے چند ساتھی ایک جیپ میں بیٹھے میرا انتظار کر رہے تھے۔ کہنے لگے " بڑی دیر لگائی ـــــ تمہیں تو یہ جگہ پسند آگئی تھی۔ چلو استاد اب پتہ چلے گا بہت ٹھاٹ کرلئے۔" معاً مجھے بھونا دا مکرجی کا ایک سرکلر یاد آیا جو انھوں نے صوبائی پارٹی کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے ایشوع کیا تھا اور تمام ممبروں سے کہا تھا کہ وہ گرفتاری سے بچنے کی کوشش کریں کیونکہ صوبائی دفتر کو اطلاع ملی ہے کہ بہت سے لوگ اس زمانے کی خطرناک ذمہ داریوں سے بچنے کے لئے جیل میں پناہ لیتے ہیں اور سچی بات یہ تھی کہ باہر کی زندگی خطرناک تو تھی ہی ـــــ لیکن بے سروسامانی کی زندگی بھی تھی۔ یہاں کیمون میں کھانے پینے کی قلت تھی بسنڈاسی بدبودار چاول اور پانی کی دال تھی۔ اگر کوئی مہمان آجاتا تو دال میں اسی مقدار میں پانی ڈال دیا جاتا۔ شاید غریب سے غریب آدمی بھی ایسا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ لیکن ہم لوگ جب اپنے کاموں سے واپس آتے تو اس پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ ایک روز جب دس بارہ کامریڈ کمرے میں حلقہ بنائے ہوئے کھانا کھا رہے تھے تو میں نے اپنے جنرل سکریٹری سے کہا " بھونا دا! کتنا خراب کھانا ہے۔ آخر ہم لوگ یہ کھانا کیسے کھاتے ہیں؟"

بھونا دا نے منہ میں لقمہ رکھتے ہوئے کہا " کامریڈ! یہ کھانا تمہارا پیٹ نہیں کھاتا تمہارا دماغ کھاتا ہے اور دماغ کو ذائقے کا احساس نہیں ہوتا۔"

ہم سب کھاتے رہے ـــــ سوچتے رہے ـــــ کھاتے رہے اور جی بھر کر کھایا ـــــ اس وقت کیمون میں وہ سب لوگ تھے جو یونی ورسٹی سے فارغ التحصیل تھے۔ ان میں بیشتر بڑے خوشحال گھرانوں کے نوجوان تھے جو عیش و آرام کی زندگی چھوڑ کر فقر و فاقے میں مست تھے اور انھیں کسی سے کوئی شکایت نہ تھی کیونکہ اس زندگی کا انتخاب انھوں نے خود کیا سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ میں ان تمام خیالات میں سرگرداں تھا۔ اتنے میں ایک ساتھی نے کہا " بڑے موٹے ہو رہے